Translation

سپریم کورٹ آف پاکستان

(اپیلیٹ دائرہ اختیار)

موجود

جناب جسٹس قاضی فائز عیسیٰ، چیف جسٹس

جناب جسٹس امین الدین خان

جناب جسٹس اطہر من اللہ

سول پٹیشن نمبر 3532/2023

(اسلام آباد ہائی کورٹ، اسلام آباد کے، آئی سی اے نمبر 190/2023 کے فیصلے مورخہ 13.06.2023 کے خلاف اپیل)

مختار احمد علی ... درخواست گزار

بنام

رجسٹرار، سپریم کورٹ آف پاکستان اسلام آباد ودیگر ... جواب دہندگان

درخواست گزار: بذات خود

جواب دہندہ نمبر 1 کے لئے: بذات خود

عدالت کے بلانے پر: جناب منصور عثمان اعوان، اٹارنی جنرل

چودھری عامر رحمان، ایڈیشنل اٹارنی جنرل، پاکستان

سماعت کی تاریخ: 27.09.2023

فیصلہ

قاضی فائز عیسیٰ، چیف جسٹس :- ایک خط مورخہ 10 اپریل 2019 کو رجسٹرار سپریم کورٹ کو بھیجا گیا جس کے ذریعے درخواست گزار نے مندرجہ ذیل معلومات دریافت کیں:-

"الف) سپریم کورٹ کے عملے کے ارکان کی کل منظور شدہ تعداد (زمرہ وار) برخلاف متفرق عہدہ جات/پے اسکیلز یعنی پے اسکیل 1 سے 22 تک (زمرہ وار)۔

ب) سپریم کورٹ میں موجود کل اسامیاں برخلاف مختلف پے اسکیلز/عہدہ جات (زمرہ وار) اور وہ تاریخ جب سے یہ عہدہ جات خالی ہیں۔

ج) عملے کے ارکان کی تعداد (زمرہ وار) جو کہ مستقل نہیں ہیں لیکن یومیہ اجرت یا قلیل مدتی یا طویل مدتی معاہدوں کے تحت مختلف عہدہ جات/پے اسکیلز پر کام کر رہے ہیں۔

د) یکم جنوری 2017 سے اب تک تخلیق کیے گئے نئے عہدوں کی تعداد اور اقسام۔

ہ) مختلف عہدوں/پے اسکیلز پر کام کرنے والی کل خواتین کی تعداد (زمرہ وار)۔ جواب میں قلیل مدتی/عارضی عملے اور باقاعدہ عملے میں فرق بھی بیان کیا جائے۔

و) سپریم کورٹ آف پاکستان میں مختلف عہدوں/پے اسکیلز پر کام کرنے والے معذور افراد کی کل تعداد (زمرہ وار) جواب میں قلیل مدتی/عارضی عملے اور باقاعدہ عملے میں فرق بھی بیان کیا جائے۔

ز) سپریم کورٹ آف پاکستان میں مختلف عہدوں/پے اسکیلز پر کام کرنے والے خواجہ سراؤں کی کل تعداد (زمرہ وار) جواب میں قلیل مدتی/عارضی عملے اور باقاعدہ عملے میں فرق بھی بیان کیا جائے۔

ح) سپریم کورٹ آف پاکستان کے تازہ ترین منظور شدہ ملازمت کے قواعد کی تصدیق شدہ کاپی۔"

2. درخواست گزار نے بیان کیا کہ بطور پاکستانی شہری اس کا بنیادی حق ہے کہ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان **('آئین')** کے آرٹیکل 19A کے تحت اس کو وہ معلومات فراہم کی جائیں جو اس نے طلب کی ہیں۔اس نے **"معلومات تک رسائی کے حق کا قانون، 2017" ('قانون')** پر بھی انحصار کیا۔درخواست گزار نے بیان کیا ہے کہ چونکہ اس کی درخواست پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی، اس لیئے اس نے 6 مئی 2019 کو قانون کی دفعہ 17 کے تحت پاکستان انفارمیشن کمیشن **('کمیشن')** میں اپیل دائر کی۔کمیشن نے رجسٹرار کو دفعہ 9 کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ سپریم کورٹ ایک *عوامی معلومات افسر* نامزد کر سکتی ہے اور ایسا کرنے کے بعد درخواست گزار کی مطلوبہ معلومات اس افسر کے ذریعے فراہم کی جائیں۔کمیشن نے 16 جولائی 2019 کو ایک یاد دہانی بھیجی اور جب اس بابت کوئی جواب نہیں آیا تو کمیشن نے 26 جولائی 2019 کو ایک اور یاد دہانی بھیجی۔8 اگست 2019 کو رجسٹرار سپریم کورٹ نے بحوالہ دفتری چھٹی مورخہ 30 ستمبر 2014 بذریعہ خط، معلومات فراہم کرنے سے انکار کریا۔چونکہ درخواست گزار رجسٹرار کے جواب سے مطمئن نہیں تھا، اس نے قانون کی دفعہ 17 کے تحت اپیل دائر کی، جس کے نتیجے میں اپیل نمبر 060-06/19 کمیشن کے سامنے آئی۔12 جولائی 2021 کو کمیشن، جو کہ چیف انفارمیشن کمشنر اور دو انفارمیشن کمشنرز پر مشتمل تھا، نے درخواست گزار کی اپیل منظور کر لی اور ہدایت کی کہ اس کو مطلوبہ معلومات فراہم کی جائیں۔

3. جناب جواد پال، جو متعلقہ وقت میں سپریم کورٹ کے رجسٹرار تھے، نے کمیشن کو 12 جولائی 2021 کے حکم کو واپس لینے کی درخواست دائر کی۔ کمیشن نے نوٹس جاری کیا، درخواست گزار نے اپنا جواب جمع کرایا اور رجسٹرار نے *'چوہدری عامر رحمان، ایڈیشنل اٹارنی جنرل/جواب دہندہ کے وکیل/ درخواست گزار'* کے ذریعے اپنے تحریری دلائل جمع کرائے۔کمیشن نے اپنے حکم مورخہ 17 نومبر 2021 میں فیصلہ دیا کہ کمیشن کے حکم کو واپس لینے کی درخواست *'معلومات تک رسائی کے حق کا قانون 2017' کے تحت ،اس کمیشن کے اختیارات کے دائرے سے باہر ہے۔'*

4. 22 نومبر 2021 کو چیف جسٹس آف پاکستان[1] نے ہدایت دی کہ ایڈیشنل اٹارنی جنرل **('اے اے جی')** کو کمیشن کے احکامات کو چیلنج کرنا چاہیے اور اسلام آباد ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن دائر کرنی چاہیے۔نتیجتاً، رٹ پٹیشن نمبر 4284/2021 سپریم کورٹ آف پاکستان کے رجسٹرار نے دائر کی جس میں کمیشن اور درخواست گزار کو جواب دہندگان کے طور پر شامل کیا گیا

[1] مسٹر جسٹس گلزار احمد

اور درخواست کی گئی کہ 'کمیشن کے مورخہ 12.07.2021 اور 17.11.2021 کے حکم نامے' کو 'غیر قانونی، غیر آئینی اور بغیر دائرہ کار کے' قرار دیا جائے۔رٹ پٹیشن کو فیصلے مورخہ 3 اپریل 2023 کے تحت منظور کرلیا گیااور متنازعہ احکامات کو اس بنیاد پر کالعدم قرار دیا گیا کہ سپریم کورٹ 'اس قانون کے مقاصد کے لئے عوامی ادارہ نہیں ہے اور یہ پاکستان انفارمیشن کمیشن کے دائرہ اختیار میں نہیں آتی'۔

5. چونکہ رٹ پٹیشن ایک معزز سنگل جج نے فیصلہ کی تھی، درخواست گزار نے لاء ریفارمز آرڈیننس، 1972 کی دفعہ 3 کے تحت ڈویژن بینچ کے سامنے ایک انٹرا کورٹ اپیل (آئی- سی- اے نمبر 190/2023) دائر کی، لیکن چونکہ اپیل تاخیر سے دائر کی گئی تھی، اس لئے اسلام آباد ہائی کورٹ کے ڈویژن بینچ نے، کیس کی خصوصیات پر غور کیے بغیر کہا کہ چونکہ تاخیر کو معاف کرنے کے لئے کافی وجہ نہیں دی گئی تھی، اس لئے تاخیر کو معاف کرنے کی درخواست مسترد کی جاتی ہے اور نتیجتاً انٹرا کورٹ اپیل کو مقررہ معیاد میں دائر نہ ہونے کے سبب مسترد کر دیا گیا۔

6. درخواست گزار جو اپنی نمائندگی خود کر رہے ہیں، نے اپنی گزارشات کا آغاز آئین کے آرٹیکل 19A کا حوالہ دے کر کیا، جو کہ یوں ہے:

> "قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں اور ضوابط کے تابع ہر شہری کو عوامی اہمیت کی حامل تمام معلومات تک رسائی کا حق حاصل ہوگا۔"

اس نے کہا کہ آرٹیکل 19A سپریم کورٹ کو خارج نہیں کرتا۔اس نے مزید کہا کہ نہ تو مانگی گئی معلومات حساس تھیں اور نہ یہ ایسی قسم کی تھی جس کو راز رکھنے کی ضرورت ہوتی۔درخواست گزار نے معزز سنگل جج کے معترض فیصلے کے بارے میں کہا کہ کمیشن کے حکم کو آئین کے آرٹیکل 19A کو مد نظر رکھے بغیر ایک تکنیکی وجہ کی بنا پر مسترد کر دیا گیا تھا اورانٹرا کورٹ اپیل کو مسترد کرنے کے بارے میں کہ یہ بروقت دائر نہیں کی گئی تھی، درخواست گزار نے کہا کہ معزز سنگل جج نے مقدمہ کو 3 اپریل 2023 کو سنا تھا، لیکن درخواست گزار کو فیصلے کے اعلان کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئی تھیں اور اسے سوشل میڈیا کے ذریعے اس کا علم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ وہ وکیل نہیں ہیں اور وہ خود ہائی کورٹ کے سامنے اپنی نمائندگی کر رہے تھے، لہذا، فیصلے کے اعلان کے بارے میں ایک نوٹس بھیجنا جانا چاہیے تھا۔درخواست گزار نے کہا کہ قانون یہ وضع کرتا ہے کہ معلومات کے حصول کی درخواستوں کو کیسے جمع کیا جاتا ہے اور یہ کہ سپریم کورٹ کواس قانون کے دائرہ اطلاق سے باہر رکھنے کا کوئی سبب نہیں ہے، خاص طور پر جب مطلوبہ معلومات کی فراہمی ممنوع نہ تھی۔انہوں نے کمیشن کے حکم کا بھی حوالہ دیا جسکے ذریعے رجسٹرار کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

7. چوہدری عامر رحمان معزز، اےاے جی نے ہمیں بتایا کہ اٹارنی جنرل فار پاکستان [2] (**'اے جی'**) نے ان کو ہدایت کی تھی کہ رجسٹرار سپریم کورٹ نے ان کو کمیشن کے سامنے Representation کرنے اور کمیشن کے فیصلے کو ہائی کورٹ کے سامنے چیلنج کرنے کی ہدایت دی تھی۔ اور یہ بغیر کسی معاوضے کی وصولی کے کیا گیا۔

8. ہم نے دیکھا ہے کہ سپریم کورٹ کے نام پر مقدمے کا آغاز رجسٹرار نے کیا تھا۔ سپریم کورٹ قواعد 1980 (**'قواعد'**) میں کہا گیا ہے کہ رجسٹرار ہ دفتر کا انتظامی سربراہ ہے اور اس کو دیے گئے اختیارات کا استعمال کر رہا ہو گا [3]۔ "قواعد"، جسٹرار کو مقدمہ شروع کرنے کے خاص اختیارات فراہم نہیں کرتے اور اگرچہ چیف جسٹس "قواعد" کے تحت کوئی بھی کام رجسٹرار کے ذریعے انجام دینے کی ضرورت ہو تو اس کو سونپ سکتا ہے، قواعد کے تحت مقدمہ شروع کرنے کا اختیار نہ مطلوب ہے نہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے رجسٹرار کو یہ ذمہ داری نہیں دی جاسکتی تھی اور نہ ہی وہ اسے نبھا سکتے تھے۔ آئین، سپریم کورٹ کو چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے ججوں کے طور پر بیان کرتا ہے [4]۔ تاہم، سپریم کورٹ (جیسا کہ آئین میں بیان کیا گیا ہے) کی منظوری کے بغیر رجسٹرار کی طرف سے قانونی چارہ جوئی کا آغاز کیا گیا۔ متعلقہ وقت پر ایک بیوروکریٹ [5] رجسٹرار کے طور پر خدمات فراہم کر رہا تھا جسے شائد قواعد اور آئینی شرائط کا علم نہیں تھا۔ جس معزز اے جی نے سپریم کورٹ کی نمائندگی کیا گیا تھا۔ اے جی کے دفتر کی طرف سے مامور کیا گیا تھا۔ اے جی وفاقی حکومت کے معاملات پر دھیان دیتا ہے [6]، جو کہ انتظامیہ کا حصہ ہے اور اسے عدلیہ سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے [7]۔ موجودہ معاملہ سپریم کورٹ سے متعلقہ تھا اور اس کا وفاقی حکومت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

9۔ رجسٹرار سپریم کورٹ کی جانب سے ہائی کورٹ میں دائر کی گی رٹ پٹیشن کے قابل سماعت ہونے کا سوال، معزز سنگل جج کے سامنے اُٹھایا گیا تھا۔ جنہوں نے ہ رجسٹرار سپریم کورٹ آف پاکستان بنام حسن اکبر [8] اور رجسٹرار سپریم کورٹ آف پاکستان بنام قاضی ولی محمد [9] کے مقدمات کا حوالہ دیتے ہوئے اسے قابلِ سماعت قرار دیا۔ حسن اکبر کیس ایک اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل کے خلاف شکایت کے حوالے سے تھا، جو سپریم کورٹ میں اس وقت بطور وکیل پیش ہوئے تھے جب کہ ان کا اندراج سپریم کورٹ کے وکیل کے طور پر نہیں تھا؛ یہ معاملہ تعدیبی کمیٹی کی سفارشات سے پیدا ہوا، اس لئے، اسے سپریم کورٹ کو قانونی چارہ جوئی کا حق دینے کی نظیر کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے کیس میں، قاضی ولی محمد کو سپریم کورٹ کی ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا اور اس نے وفاقی سروس ٹرائیبونل کے سامنے اپیل دائر کی تھی جس کے ملازمت میں بحالی کے فیصلے کو رجسٹرار نے آئین کے آرٹیکل (3)212 کے تحت سپریم کورٹ میں چیلنج کیا تھا۔ اس عدالت نے قرار دیا کی قاضی ولی محمد سول سروینٹ ایکٹ، 1973 میں بیان کردہ تعریف کے مطابق سول سروینٹ نہیں ہے لہذا ٹرائیبونل کو اختیار سماعت حاصل نہیں ہے۔ رجسٹرار نے قاضی ولی محمد کے مقدمہ میں قانونی چارہ جوئی کا آغاز

---

[2] مسٹر خالد جاوید خان

[3] عدالت عظمیٰ کے قوائد، 1980، آرڈر 3 ، قاعدہ 1

[4] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، آرٹیکل 176

[5] جناب جواد پال

[6] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، آرٹیکل (3) 100

[7] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، آرٹیکل (3) 175

[8] 1987 PCrLJ 1321

[9] 1997 SCMR 141

نہیں کیا تھا نہ ہی اُس نے ٹرائیبونل کے سامنے اپیل دائر کی تھی۔ مخصوص حقائق اور بہت محدود دائرکار کے حامل یہ دو مقدمات رجسٹرار کو سپریم کورٹ کی جانب سے قانونی چارہ جوئی شروع کے قابل بنانے کی نظیر کے طور پر نہیں سمجھے جاسکتے، خاص طور پر جب ان میں سے کسی بھی فیصلے میں اس پہلو پر بات نہیں کی گئی تھی۔

10. جناب منصور عثمان عوان، معزز اے۔جی نے کہا کہ یہ قانون صرف دفعہ (ix)2 میں بیان کردہ عوامی اداروں پر لاگو ہوتا ہے اور سپریم کورٹ اس کی تعریف میں شامل نہیں۔ اور اگرچہ یہ قانون "عدالت، ٹربیونل، کمیشن یا وفاقی قانون کے تحت قائم بورڈ" پر لاگو ہوتا ہے، سپریم کورٹ کو آئین کے تحت قائم کیا گیا ہے نہ کہ وفاقی قانون کے تحت اور نہ ہی سپریم کورٹ وفاقی حکومت کا ادارہ ہے جس پر یہ قانون لاگو ہو۔ لہذا، یہ قانون قابل اطلاق نہیں تھا اور کمیشن کو سپریم کورٹ کے بارے میں اختیار حاصل نہیں تھا۔ تاہم، معزز اے۔جی نے تجویز دی کہ سپریم کورٹ اس بارے میں خود ضابطے بنا سکتی ہے، جس میں بتایا جاسکتا ہے کہ آرٹیکل 19A کے تحت معلومات کے حصول کے لیے درخواستیں کیسے جمع کرائی جاسکتی ہیں اور کون اور کس طرح ان معلومات کو فراہم کرے گا۔ انہوں نے مزید تجویز دی کہ اگر مجاز شخص معلومات فراہم کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس انکار کے خلاف جج کے سامنے چیمبر اپیل ہونی چاہیے۔

11. ہم نے درخواست گزار اور معزز اے جی کو سنا اور قانون اور آئین کی شقوں کا جائزہ لیا ہے۔ ہم معزز اے جی سے اتفاق کرتے ہیں کہ قانون واضح طور پر سپریم کورٹ آف پاکستان پر لاگو نہیں ہوتا۔ لہذا، درخواست گزار کی کمیشن کے سامنے پیش کی گئی اپیل قابل قبول نہیں تھی اور اس حد تک ہائی کورٹ کے معزز سنگل جج نے درست طریقے سے فیصلہ کیا۔ تاہم، معاملہ یہاں ختم نہیں ہوتا۔

12. یہ سوال، کہ درخواست گزار آئین کے آرٹیکل 19A کے تحت معلومات حاصل کر سکتا ہے یا نہیں، قابل غور ہے۔ سپریم کورٹ آئین کے ارٹیکل 19A کے دائرہ کار سے خارج نہیں ہے، اور *'عوامی اہمیت'* کی معلومات اس کے تحت حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اب، عوامی اہمیت کا کیا مطلب ہے، اس پر غور کیا جانا چاہیے۔ جملہ *'عوامی اہمیت'* کا ذکر آئین میں کئی جگہوں پر کیا گیا ہے[10]، لیکن اس کو واضح نہیں کیا گیا۔ تاہم اس عدالت نے ان الفاظ کی تشریح کی ہے *منظور الہی بنام وفاق پاکستان*[11] کے مقدمے میں یہ قرار دیا گیا کہ:

> "' اصطلاح "عوامی" 'عموماً' خصوصی یا فردی' اصطلاحات کے خلاف استعمال ہوتا ہے، اور اس کے طور پر صفت ہوتی ہے، کچھ بھی جو لوگوں سے متعلق ہو؛ قوم، ریاست یا کمیونٹی کے متعلق ہو۔ دوسرے الفاظ میں، یہ کچھ وہ ہوتا ہے جو عوام کے ساتھ اشتراک یا شرکت یا لطف کے لئے ہوتا ہے، اور کسی مخصوص کمیونٹی کے کسی خاص طبقے تک محدود یا پابند نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی نے Hamabai Framjee Petit vs. Secretary of State for India-in-Council ILR 39 Bom. 279 میں عوامی مقصد کے الفاظ کو تشریح کرتے ہوئے کہا، "اس کا اور جو بھی مطلب ہو اس میں یہ مقصد ضرور شامل ہونا چاہئے کہ ایسا مقصد کہ

---

[10] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، آرٹیکل (3) 184، (1) 186 اور (3) 212

[11] پی۔ ایل۔ ڈی 1975 سپریم کورٹ 66، صفحہ 144

جس میں افراد کے انفرادی مفاد کے برعکس ان کا عمومی مفاد ہو، براہ راست اور ضروری ہے۔" یہ تعریف مجھے 'عوامی اہمیت' کے الفاظ پر برابر لاگو محسوس ہوتی ہے۔"

بنیادی حقوق کے حوالے سے عوامی اہمیت کے الفاظ کی *بینظیر بھٹو بنام وفاقِ پاکستان*[12] کے مقدمے میں درج ذیل حوالے سے وضاحت کی گئی:

"آخر میں، ایسی اصطلاح "عوامی اہمیت" کا مفہوم غور کیا جاتا ہے جو بنیادی حقوق کے نافذ ہونے کی پیش شرائط کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔اسے ایک محدود معنی میں نہیں سمجھا جانا چاہئے، بلکہ آئینی حقوق اور آزادیوں کی محفوظگی اور ایسی آزادیوں پر حملے کو جس نے ان کی نافذی کا شدید سوال پیدا ہوتا ہے کے طور پر سمجھا جانا چاہیے۔ ایسے معاملات عوامی اہمیت کے معاملے کے طور پر دیکھے جا سکتے ہیں جو آزادی اور خود مختاری کے انسانی حقوق سے متعلق ہوں چاہیے وہ کسی انفرادی مقدمہ سے پیدا ہوں یا کسی جماعت یا افراد کے گروہ سے متعلق ہوں، کیونکہ یہ الفاظ قانونی طور پر اس کا احاطہ کرتے ہیں۔"

13. جو پہلے جاننے-کی-ضرورت کی بنیاد پر تھا اب آرٹیکل 19A نے اس کو جاننے-کے-حق میں تبدیل کر دیا ہے۔ بار اب ان لوگوں سے جو معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں پر چلا گیا ہے جو اسے چھپانا چاہتے ہیں۔ معلومات تک رسائی اب کوئی صوابدید نہیں جسے وقتاً فوقتاً احسان جتلا کر فراہم کیا جائے بلکہ اب[13] یہ ہر پاکستانی کا بنیادی حق ہے جس کا آئین کے آرٹیکل 19A کے تحت دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

14. ہم دیکھتے ہیں کہ جب شہریوں کو مطلوبہ معلومات تک رسائی ہو، تو وہ صرف تب ان افراد کو معنی خیز طور پر سوال کر سکتے ہیں جو عوامی خزانے سے تنخواہ حاصل کرتے ہیں، اور جن کی خدمات عوام کے مفاد کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ عوام کے معلومات کے حق کی اہمیت 200 سال پہلے واضح کر دی گئی تھی:

"ایک مقبول حکومت، بغیر مقبول معلومات یا ان کے حاصل کرنے کے ذرائع کے، محض ایک تماشہ یا المیہ کا آغاز ہے؛ یا شاید دونوں۔ علم ہمیشہ جہالت پر حکومت کرے گا: اور ایک قوم جو اپنی خود حکمران بننا چاہتی ہے، اسے خود کو اس طاقت سے بھرنا چاہئے جو علم دیتا ہے۔"[14]

اب تک 100 سے زائد ممالک میں کسی نہ کسی شکل میں معلومات کی آزادی سے متعلق قانون سازی موجود ہے[15]۔ ریاستہائے متحدہ امریکا کی عدالت عظمیٰ نے اسے جمہوریت، احتساب اور بدعنوانی سے بچاؤ کے ساتھ جوڑا رکھا ہے:

---

[12] پی۔ایل۔ڈی 1988 سپریم کورٹ 416، صفحہ 491

[13] آرٹیکل 19A کو آئین میں بذریعہ دفعہ 7 آئین (اٹھارہویں ترمیم) ایکٹ، 2010 شامل کیا گیا

[14] جیمز میڈیسن کا ڈبلیو ٹی بیری کو خط مورخہ 4 اگست 1822، حوالہ ایجنسی برائے حفاظتِ موحولیات بنام مِنک، 410 U.S.73، 110-111(1973)

[15] "رازداری کا انسائیکلوپیڈیا" ولیم جی سٹیپلز، بلوبیری ایکڈیمک، 2006

"(آزادی معلومات کے قانون) کا بنیادی مقصد ایک مطلع شہری کی بنیادیت ہے، جو جمہوریت کی نظام کاری کے لئے ضروری ہے، جو بدعنوانی کے خلاف جانچ کرنے اور حکمرانوں کو محکوموں کے لئے ذمہ دار بنانے کے لئے ضروری ہے۔"[16]

15. معلومات تک رسائی کے قوانین، حکومت کے کارگرنظام، اقتصادی ترقی کی شرکت دار، اطلاعاتی صنعتوں کے ترقی کے لئے ایک مددگار[17] کے طور پر ایک نئے معنی حاصل کر رہے ہیں اور معلومات پر پابندی کی بھاری قیمت چکانا پڑتی ہے، جیسا کہ ورلڈ بینک نے مشاہدہ کیا:

"شفافیت کی کمی، سیاسی اور اقتصادی طور پر مہنگی پڑ سکتی ہے۔یہ سیاسی طور پر کمزور بناتی ہے کیونکہ یہ جمہوری نظام کی حکومت کی پالیسیوں کو جانچنے اور درست کرنے کی صلاحیت کو کمزور کر دیتی ہے اور یہ خصوصی مفادات کی سرگرمیوں کو چھپانے کی وجہ سے ہے۔اس کے علاوہ، یہ معلومات رکھنے والوں کو کچھ تبادلہ کرنے کے لیے ایک موقع فراہم کرتی ہے۔راز داری کی اقتصادی لاگت بہت زیادہ ہوتی ہے، جو نہ صرف مجموعی پیداوار بلکہ فوائد اور خطرات کی تقسیم کو بھی متاثر کرتی ہے۔سب سے بری قیمت بدعنوانی کی صورت میں چکانا پڑتی ہے، جو سرمایہ کاری اور اقتصادی ترقی کو منفی طور پر متاثر کرتی ہے۔"[18]

معلومات تک رسائی اس طرح عوام کے مفادات کو محفوظ بناتی ہے، جو کہ آئین میں بیان کردہ حکمت عملی کے اصولوں کے تحت قوم کا مقصد ہے۔[19]

16. ابتدائی اسلام میں اعلیٰ معیار قائم کیے گئے تھے اور حکمرانوں کو معلومات فراہم کرنی ہی پڑتی تھیں۔دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) سے جب اپنی قمیض بنانے میں استعمال ہونے والے مواد کی مقدار کے بارے میں سوال کیا گیا؛ انہوں نے سوال کرنے کے خلاف اعتراض نہیں کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو وضاحت کے لئے کہا، جنہوں نے بتایا کہ ان کے والد کے بڑے ناپ کی وجہ سے، قمیض بنانے میں استعمال ہونے والا اضافی مواد ان کی طرف سے دیا گیا تھا۔[20]

17. شفافیت اپنے ساتھ اندرونی جائزہ لینے کا اضافی فائدہ بھی لے کر آتی ہے، جو خود احتسابی کو بڑھاوا دے کر اداروں کو فائدہ دیتا ہے۔آرٹیکل 19A بیان کرتا ہے کہ، *قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں اور ضوابط کے تابع، معلومات فراہم کی جائیں*۔تاہم، اس معاملے میں کوئی قانون موجود نہیں ہے جو سپریم کورٹ کو اس بابت دیکھتا ہو یا سپریم کورٹ نے خود کوئی ضوابط بنائے ہوں۔بلاشبہ،

---

[16] این۔ایل۔آر۔بی بنام روبنز ٹائر اور بڑ کمپنی، (1978) 437 U.S.214,242

[17] "دنیا کے جاننے کا حق" علم اتھامس بلانٹن، خارجہ پالیسی نمبر 131 (جولائی-اگست 2002)، صفحات 50-58

[18] تارا وشواناتھ، ڈینئیل کاف مین، عالمی بینک تحقیقی مبصر، جلد 16، نمبر 1، صفحات 41-57

[19] اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، آرٹیکل 3 8(a),

[20] ابن القیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن رب العالمین (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1991)، جلد 2، صفحہ 133

اگر کوئی قانون بنایا جائے یا ضوابط بنائے جائیں، تو معلومات فراہم کرنے کی درخواست کو ان کے مطابق اور آرٹیکل 19A کے مطابق نمٹایا جائے گا۔

18. آرٹیکل 19A معلومات کی فراہمی پر معقول پابندیوں کا تصور پیش کرتا ہے، لیکن معلومات فراہم کرنے سے انکار کرنے والے شخص ، اتھارٹی یا ادارے کو پھر اس کا جواز فراہم کرنا ہوگا۔ موجودہ مقدمہ میں درخواست گزار کو درکار معلومات فراہم نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، اور نہ ہی ایسی معلومات کی فراہمی کو عوامی مفاد کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ نتیجتاً، درخواست گزار کو درکار معلومات فراہم کی جانی چاہیے تھیں۔

19. لہذا، اوپر درج شدہ وجوہات کی بنا پر، اس درخواست کو اپیل میں تبدیل اور منظور کیا جاتا ہے اور رجسٹرار سپریم کورٹ کو ہدایت دی جاتی ہے کہ درخواست گزار کو متعلقہ معلومات سات یوم کے اندر فراہم کی جائیں۔ دفتر کو بھی ہدایت دی جاتی ہے کہ درخواست گزار کو اس کی طرف سے اس درخواست پر اور ہائی کورٹ میں دائر کی گئی انٹرا کورٹ اپیل پر ادا کی گئی عدالتی فیس واپس کر دی جائے۔

20. اس معاملے کی عوامی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے، اور چونکہ یہ سپریم کورٹ کے طرف سے فیصلہ کیا گیا اپنی نوعیت کا پہلا ایسا مقدمہ ہے، لہذا اس فیصلے کو اردو میں ترجمہ کرنا ہوگا۔ آئین کے آرٹیکل 189 کے تحت انگریزی متن کو اس عدالت کا فیصلہ سمجھا جائے گا۔

چیف جسٹس

جج

میں نے اضافی وجوہات شامل کی ہیں۔

جج

اسلام آباد

(فرخ)

16 اکتوبر 2023 کو اسلام آباد میں فیصلہ سنایا گیا۔

چیف جسٹس

اشاعت کے لئے منظور شدہ

اطہر من اللہ، جج :- مجھے اپنے فاضل بھائی، قاضی فائز عیسیٰ، چیف جسٹس، کا فیصلہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور مجھے ان کی قانون اور آئین کی واضح تشریح سے متفق نہ ہونے یا اس کی توثیق نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ تاہم، مجھے اپنی اضافی رائے کو شامل کرنا ضروری محسوس ہوا۔

2. ہم نے تشریح کی ہے اور قرار دیا ہے کہ آئین کا آرٹیکل A 19 ہر شہری کو عوامی اہمیت کے تمام معاملات میں معلومات تک رسائی کے بنیادی حق کی ضمانت دیتا ہے۔ اس حق کا استعمال مناسب پابندیوں اور ضوابط کے تابع ہے۔ *مناسب پابندیوں اور ضوابط کے تابع* کی اصطلاح ہر گز قانون ساز ادارے کو کوئی صلاحیت (اختیار) نہیں دیتی اور نہ دے سکتی ہے کہ وہ آئینی طور پر تحفظ یافتہ حق کے دائرہ کار کو مختصر کرے، کمزور کرے یا محدود کرے اور کسی عوامی ادارے کو آئینی حق کے دائرہ کار سے خارج کرے۔ آرٹیکل A 19 میں دیا گیا حق عوامی اہمیت کے تمام معاملات میں معلومات تک رسائی سے متعلق ہے، جس میں عوامی اداروں کے بارے میں معلومات بھی شامل ہیں۔ معلومات تک رسائی کے قانون، ('**2017 کا قانون**') سادہ مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ بادی النظر میں سپریم کورٹ کو واضح طور پر 'عوامی اداروں' کی تعریف سے خارج نہیں کیا گیا، جیسا کہ اسکی دفعہ (ix) 2 میں درج ہے۔ سندھ شفافیت اور معلومات تک رسائی کے قانون، 2019 ('**سندھ قانون**') اور پنجاب شفافیت اور معلومات تک رسائی کے قانون، 2013 ('**پنجاب قانون**') کی دفعہ (i) 2(h),2 کی بالترتیب تعریفات دونوں صوبوں کی اعلیٰ عدالتوں کو معلومات تک رسائی کے قانون کے دائرہ کار میں لاتی ہیں۔

3. یہ دیکھا گیا ہے کہ آئین کا آرٹیکل 8 غیر مبہم انداز میں کسی بھی ایسے قانون کو کالعدم قرار دیتا ہے جس حد تک وہ باب اول کے تحت دیے گئے حقوق سے متصادم ہو۔ مزید براں یہ ریاست کو کسی ایسے قانون کو بنانے سے روکتا ہے جو بنیادی حقوق کو چھین لے یا مختصر کر دے یا جو واضح حکم کی خلاف ورزی میں بنایا گیا ہو۔ آرٹیکل 7 میں ریاست کی تعریف درج کی گئی ہے اور اس میں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) اور متعلقہ صوبوں کی قانون ساز اسمبلیاں شامل ہیں۔

4. مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) جب 2017 کا قانون نافذ کر رہی تھی تو وہ آرٹیکل 19A کے تحت حقوق کو چھیننے یا کم کرنے کی نیت نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی سپریم کورٹ کو مکمل طور پر اس قانون کے دائرہ کار سے خارج کر سکتی تھی کہ یوں ایک شہری کو اس کی عوامی اہمیت کی سرگرمیوں سے متعلق معلومات تک رسائی سے محروم کرے۔ ایسا لگتا ہے کہ سپریم کورٹ کو واضح طور پر آرٹیکل 19A کے تحت شہری کے حق کے دائرہ کار سے خارج نہیں کیا گیا ہے۔ ثلاثیت کے اصول کے احترام کے طور پر، بنیادی حق معلومات تک رسائی کے نفاذ سے متعلق اصولوں اور قواعد کو اپنانا سپریم کورٹ پر چھوڑ دیا گیا ہے، کیونکہ یہ ملک کی آخری اور اعلیٰ ترین عدالت کی حیثیت رکھتی ہے جو شہریوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف حفاظت کرتی ہے۔ آئین کے آرٹیکل (3)184 کے تحت یہ غیر معمولی ابتدائی دائرہ اختیار سے لیس ہے تاکہ بنیادی حقوق کے نفاذ سے متعلق رِٹ جاری کرے۔ 2017 کے قانون کی ایسی تشریح جو سپریم کورٹ کو شہری کے معلومات تک رسائی کے حق کے استعمال سے استثنیٰ دے، آئینی طور پر ضمانت شدہ حق کو چھیننے یا کم کرنے کے مترادف ہو گی۔ ایسی صورت میں اور اس حد تک 2017 کا قانون بنیادی طور پر ضمانت شدہ حق کے ساتھ تضاد کی وجہ سے کالعدم ہو جائے گا۔ آئین کی افادیت کے اصولوں کے پیمانے پر اور قانون کو باطل قرار دیے جانے سے بچانے کے اصولوں کے تحت، 2017 کے قانون کو اس طرح سے تشریح کیا جانا چاہیے کہ یہ سپریم کورٹ کو استثنیٰ نہ دے اور نہ ہی شہری کو معلومات تک رسائی کے حق کے استعمال سے روکے۔ سپریم کورٹ دیگر ریاستی شاخوں، قانون ساز ادارے اور انتظامیہ کے اقدامات کا جائزہ لینے کے لیے عدالتی نظرثانی کی غیر معمولی اور منفرد طاقت کا استعمال کرتی ہے، اور بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے پیمانے پر ان کا جائزہ لیتی ہے۔ یہ ناقابل تصور ہے کہ سپریم کورٹ شہریوں کے بنیادی حقوق کو کم کرے گی یا چھین لے گی۔ یہ

بھی ناقابل تصور ہے کہ اعلیٰ ترین فورم، جس کو بنیادی حقوق کے تحفظ کی بھاری ذمہ داری سونپی گئی ہے، وہ ان حقوق کو کم کرنے یا ان کا نفاذ کرنے سے صاف انکار کرے۔

5. اگر شہری یہ سمجھیں کہ بنیادی حقوق کے محافظ خود ان حقوق کو محدود کرنے میں ملوث ہیں تو عوام کا اعتماد ختم ہو جائے گا اور عدلیہ کی آزادی کمزور پڑ جائے گی۔ سپریم کورٹ کے پاس تلوار یا خزانے پر کوئی کنٹرول نہیں ہے اور اس کی قوت اور طاقت عوام کے اعتماد پر منحصر ہے۔ کوئی شہری سپریم کورٹ سے یہ سوچ کر نہیں جانا چاہیے کہ معلومات تک رسائی کی درخواست کو قبول نہ کرنا عوامی معلومات کو چھپانے یا دبانے کے مترادف ہے۔ سپریم کورٹ دوسرے اداروں کے اقدامات اور فیصلوں کی شفافیت اور کھلے پن کو یقینی بنا کر بنیادی حقوق کا نفاذ کرتی ہے۔ معلومات تک رسائی کا حق بدعنوانی اور بدعنوان طریقوں کے خلاف ایک قلعہ ہے۔ یہ شہری کو یہ جاننے کے قابل بناتا ہے کہ انہیں کیسے خدمات فراہم کی جارہی ہیں اور ان کے وسائل کیسے استعمال اور خرچ کیے جارہے ہیں۔ یہ شہریوں کو بااختیار بناتا ہے اور جمہوری اقدار اور شرکت کے اصول کو فروغ دیتا ہے۔ داخلی ضوابط، انسانی وسائل سے متعلق معلومات، ججوں اور ملازمین کو حاصل مراعات اور سہولیات، سپریم کورٹ کو مختص کردہ بجٹ اور اس کا خرچ عوامی اہمیت کے معاملات ہیں اور اس لیے شہریوں کی دلچسپی کا موضوع ہیں۔ سپریم کورٹ کو مالی نظم وضبط اور شفافیت اور کھلے پن کی نافذ کردہ پالیسیوں کے نفاذ کے سلسلے میں دوسروں کے لیے ایک نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ سپریم کورٹ اپنے انتظامی معاملات میں ان اصولوں کو زیادہ سختی سے نافذ کرے گی جو وہ دوسروں کے لیے بیان کرتی ہے۔ سپریم کورٹ کے پاس معلومات تک رسائی کی درخواست کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جب تک کہ یہ 2017 کے قانون کے تحت بیان کردہ مستثنیات میں نہ آتی ہو۔ ہچکچاہٹ اور انکار جائز طور پر شکوک وشبہات اور منفی تاثر کو جنم دیتے ہیں، اس طرح عدلیہ کی آزادی کو کمزور کرتے ہیں۔ عدلیہ کی آزادی کو فروغ دینے کے لیے، انتظامی اقدامات، فیصلوں اور پالیسیوں کی شفافیت اور سالمیت پر عوامی اعتماد اور بھروسہ ناگزیر ہے۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ 2017 کے قانون کو سختی سے نافذ کیا جائے اور سپریم کورٹ کی انتظامیہ اس کی پیروی کرے کیونکہ یہ آئین کے آرٹیکل 19 A کے تحت حق کا نفاذ کرتا ہے حالانکہ یہ اس پر صراحتاً لاگو نہیں ہوتا۔

6. عوام کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے، سپریم کورٹ کو معلومات کے ازخود دستیابی مستعد/حوصلہ افزا کے اصول کو اپنانا ہوگا، جس کے تحت عوامی اہمیت کے معاملات سے متعلق تمام معلومات کو اپنی ویب سائٹ پر یا دیگر ذرائع سے ظاہر کرنا ہوگا۔ شہری کو معلومات کی فراہمی کے لیے درخواست کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ معلومات کی ازخود فراہمی/ازخود دستیابی کا اصول آئین کے آرٹیکل 19 A کے تحت دیے گئے بنیادی حق میں مضمر ہے۔ شفافیت، کھلے پن اور آرٹیکل 19 A کے تحت دیے گئے حق کا نفاذ عوامی اعتماد اور ایک آزاد عدلیہ کے اصول ہیں۔ اسلام آباد ہائی کورٹ بھی 2017 کے قانون کے دائرہ کار میں نہیں آتی تھی، پھر بھی، پاکستان انفارمیشن کمیشن کے ایک حکم کے جواب میں، 29.07.2021 کو ایک خط کے ذریعے اس نے شہری کو مطلوب معلومات تک رسائی فراہم کی۔ آئینی عدالتوں کو آئین کے آرٹیکل 19 A کے تحت دیے گئے حق کے تحت معلومات تک رسائی کی درخواست کو روکنا یا مسترد کرنا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا، سپریم کورٹ کو دوسروں کے لیے ایک مثال قائم کرنی ہوگی اور معلومات کے ازخود دستیابی کو اپنانا ہوگا، نہ کہ معلومات کو روکا جائے اور یوں ایک دیے گئے بنیادی حق کی خلاف ورزی کی جائے۔

مندرجہ بالا میری طرف سے قانون کی تشریح اور میرے فاضل بھائی، قاضی فائز عیسیٰ، چیف جسٹس، کے فیصلے میں درج نتیجے کی حمایت میں اضافی وجوہات ہیں۔

(جسٹس اطہر من اللہ)

اشاعت کے لیے منظور شدہ